فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۷   شمارہ: ۴

دعوت و تبلیغ کی حکمت عملی، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد☆

ABSTRACT

In view of Quranic verses and Ahadith of Prophet Muhammad (ﷺ) the meaning of Dawah wa Tabligh can be determined as to present the teachings of Islam to the people in such a well organised and dignified way, and with wisdom that the invitee or addressee may accept it easily realizing that it is an honour for him. Dawah with wisdom is one of the basic requirements for the preaching of Islam, without that, preaching or Dawah remains ineffective and useless.

Wisdom of Dawah means to consider the psychological condition of the invitee or addressee. Psychological condition includes his mental level, capacity and personal circumstances. Thus, as much as the Da'ee or preacher be trained and expert of human psyche, the more result-oriented will be the Dawah.

In Dawah methodology following aspects play very important role: Personal character and morals of the Da'ee or preacher, Restlessness in the Da'ee for reformation of the invitee or addressee, Gradual procedure of Dawah, Polite and lenient attitude for offering Dawah, Easy way for the presentation of Islamic teachings, Offering Dawah through motivation and inducement, Presentation of Dawah avoiding fully the attitude of compulsion or forcing.

It is a fact that the principles and methodology of Dawah have been performed and guided so clearly through the revealed knowledge and its interpretation of Prophet Muhammad (ﷺ) that no other religion---revealed or unrevealed---can claim or present such a wonderful example of the principles and methodology of Dawah. It is only the pride and uniqunes of Islamic Dawah performed by the Prophet Muhammad (S.A.W). It was the result of the methodology of Dawah adopted by the last messenger and the benefactor of the humanity for the character building of the society that many role models had prepared for the future of Muslim Society. They will remain the role models and minarates of the light forever for the future generations of the world till the end of this worldly life.

This human psychological consideration of Dawah methodology and his (ﷺ) personal practical model was brought about the great success of the Prophet Muhammad (ﷺ)'s teachings.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

دعوت کا لغوی مفہوم

قرآن مجید اور احادیث میں دین کی طرف بلانے کے لیے جو کلمات و اصطلاحات آئی ہیں ان میں سے ایک لفظ ''دعوت'' ہے۔ یہ کلمہ (د ع و ت) قرآن مجید میں دو سو آٹھ مرتبہ مختلف صیغوں اور صورتوں میں آیا ہے۔ جس میں چوالیس مرتبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف بلانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔(۱)

دعوت کے لفظی معنی کسی اہم، قابل قدر اور بڑے کام کی طرف بلانا ہے یعنی ''دعا'' یدعو کا مصدر اگر ''دعوۃ'' (بفتح دال) ہو گا تو اس کے معنی ہوں گے ''مہمانی کے لیے دعوت دینا'' اگر دعوۃ (بضم دال) ہو گا تو معنی ہوں گے جنگ کے لیے پکارنا اور چیلنج کرنا، اور اگر''دعوۃ'' (بکسر دال) ہو گا تو معنی ہوں گے ''نسب کا دعویٰ کرنا''انسانی زندگی میں یہ تینوں اہم اور بڑے مواقع ہیں۔ جن کی طرف بلانے کے لیے''دعوت'' کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ علامہ زمخشریؒ دعوت کے مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> **''دعاه الى الوليمة و دعاه الى القتال ...... والنبى داعى الله وهم دعاة الحق''**(۲)

علامہ راغب اصفہانیؒ کے بقول:

> **''الدعاء الى الشيء: الحث على قصده''** (۳)
>
> ''دعا سے مراد کسی چیز کو حاصل کرنے کی ترغیب دینا یا اس پر ابھارنا۔''

دعوت کے مفہوم میں تقریباً چالیس کے قریب آیات آئی ہیں جن میں دین کی طرف بلانے کا مفہوم موجود ہے۔دعوۃ کے کلمہ کے لغوی معنی، اس کی وسعت ، قرآن مجید کی آیات اور حدیث نبویؐ کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت کا مفہوم اس طرح متعین کیا جا سکتا ہے کہ:

> ''دین کی باتوں کو لوگوں کے سامنے اہتمام، وقار اور حکمت سے اس طرح پیش کرنا کہ وہ اسے اپنے لیے اعزاز و سعادت سمجھتے ہوئے اس کو قبول کر لیں''۔

دعوت کا اصطلاحی مفہوم:

علماء نے دعوت کے مفہوم کے بارے جو آراء دی ہیں ان میں سے نمائندہ آراء ذیل میں پیش ہیں:

(۱) شیخ علیؒ محفوظ لکھتے ہیں:

> **''الدعوة من الدعاء الى الشيء بمعنى الحث على قصده وفى العرف حث الناس على**

الخير والهدى، والامربالمعروف والنهى عن المنكر ليفوزوا بسعادة العاجل والأجل"(۴)

"دعوت لفظ "الدعاء" سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی کسی چیز کی طرف بلانا یا کسی چیز کے حاصل کرنے پر ابھارنا تاکہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے مستفیض ہوسکیں۔"

(۲) ڈاکٹر احمد غلوش رقمطراز ہیں:

"والدعوة الى الاسلام تعنى المحاولة العملية اوالقولية لامالته الناس اليه"(۵)

"اسلام کی طرف دعوت دینے سے مراد عملی و قولی کوشش کرنا ہے تاکہ لوگوں کو اس کی طرف مائل کیا جا سکے۔"

(۳) آدم عبداللہ الالوری لکھتے ہیں:

"صرف انظار الناس وعقولهم الى فكر اوعقيده، وحثهم عليها"(٦)

"لوگوں کے نظریات اور ان کی عقول کو کسی فکر یا عقیدہ کی طرف پھیرنا اور انہیں اس کی طرف راغب کرنا۔"

(۴) محمد ابو الفتح البیانونی، الدعوۃ کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الدعوة الى الاسلام طلب الناس وسوقهم اليه وحثهم على الاخذ به"(۷)

"اسلام کی دعوت سے مراد لوگوں کو اس کی طرف بلانا اور اس کی طرف ان کی راہنمائی کرنا ہے اور اس کے اختیار پر ابھارنا ہے۔"

مندرجہ بالا تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ دعوت سے مراد لوگوں کو بلانا، آگاہ کرنا، اور ابھارنا ہے، مزید یہ کہ یہ لفظ دین حق کی طرف بلانے اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے ایسے انداز اور طریقہ کار اختیار کرنے کے لیے مستعمل ہے جس سے مدعو و مخاطب اس کی طرف راغب ہو اور بیان کردہ پیغام کی حقانیت کا قائل ہو جائے اور تسلیم کرے کہ اسی پیغام میں اس کی دنیا و آخرت کی فلاح و نجات ہے۔

تبلیغ کا مفہوم

تبلیغ کے کلمہ کی اصل (ب ل غ) ہے۔ بلغ کے معنی ہیں پہنچنا، پکنا اور بالغ ہونا، جب باب افعال اور تفعیل سے یہ مادہ آئے گا، جیسے ابلغ اور بلغ تو معنی ہوں گے، پہنچانا، پیغام رسانی کرنا۔

علامہ زمخشریؒ اس مادہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"**بلغ الفارس: مدیدہ بعنان فرسہ لیزید فی عدوہ** ...."

یعنی گھوڑے کے تیز دوڑنے کے لیے لگام کو بڑھانا ....

بتبلغة سے مراد وہ چھوٹی رسی جو بڑی رسیوں کو جوڑنے کا کام دے جیسے

"**ووصل رشاءہ بتبلغة وھو حبیل یوصل بہ حتی یبلغ الماء وھو الدرک**"(٨)

"یعنی اپنی رسی کو چھوٹی رسی سے جوڑا کہ پانی تک ڈول پہنچ جائے جو زیریں حصہ ہے"

اس لغوی معنی سے ہی اصطلاحی معنی واضح ہو جاتے ہیں یعنی مبلغ اور مخاطب کے درمیان ایسا رابطہ قائم کرنا کہ مبلغ کی بات مخاطب کے دل و دماغ تک پہنچ جائے۔ یہ کلمہ قرآن مجید میں اسی مادے سے ٨٧ مرتبہ آیا ہے اور ان میں ایک تہائی کے قریب یعنی ٢٧ مرتبہ دین کی تبلیغ کے معنی اور مفہوم میں وارد ہوا ہے۔(٩) کلام کو شیریں و فصیح بنانے کے لیے علم بلاغت میں بھی یہی مادہ ہے اور ذرائع ابلاغ کے لیے بھی یہی مادہ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ دین کی بنیادی تعلیمات و احکام کو لوگوں تک محنت و حکمت، محبت و الفت اور فصاحت و بلاغت سے شیرین و مزین بنا کر اس طرح پہنچانا کہ ان کے دل و دماغ میں اتر جائیں۔ یہی دین کی تبلیغ اور طریقہ تبلیغ کا مفہوم ہے۔ اسی تبلیغ کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿**یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ**﴾(١٠)

"اے رسول جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر ناز ل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی دعوت وتبلیغ کے لیے تلقین فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"**نضر اللّٰہ أمرا سمع منا شیاءً فبلّغہ کما سمع فربّ مبلّغ أوعی من سامع**"(١١)

"اللہ تعالیٰ خوش وخرم رکھے اس شخص کو جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے جیسا سنا تھا ویسا ہی دوسروں تک پہنچایا کیونکہ بہت سے وہ لوگ جنہیں بات پہنچائی جاتی ہے سننے والوں سے زیادہ محافظ ہوتے ہیں۔"

دعوت وتبلیغ کی ضرورت و اہمیت

اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اس یکتا و لاشریک ذات کی عبادت کریں۔ اس کے اوامر و نواہی کی تعظیم کریں چونکہ عبادات کی تفصیلات محض عقل کی بنیاد پر ہی متعین نہیں کی جا

سکتی تھیں اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ محض عقل کی بنیاد پر احکام الٰہیہ کی معرفت حاصل کی جا سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و راہنمائی کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ ان حقائق کو بیان کیا جا سکے جن کی خاطر کائنات کی تخلیق ہوئی اور بنی نوع انسان کو اپنی خلقت کا مقصد معلوم ہو سکے۔ تاکہ قیامت کے دن لوگ یہ عذر نہ کرسکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کی یوں وضاحت کی ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾(۱۲)

''اللہ نے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے''۔

اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے ہادی اور رسول بھیجے۔ اللہ کے رسولوں نے انہی کی زبان میں حق کی دعوت دی تاکہ حق اچھی طرح واضح ہو جائے اور جن باتوں کی دوسروں کو دعوت دی ان کو خود بھی کر کے دکھایا۔ آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپ پر چونکہ تمام عالم کی ہدایت و راہنمائی اور تمام مخلوق پر اتمام حجت کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک بعثت خاص اور دوسری بعثت عام۔ آپ ﷺ کی بعثت خاص اہل عرب کی طرف تھی۔ اس بعثت کی ذمہ داری یعنی دعوت و تبلیغ اور اتمام حجت آنحضور ﷺ نے براہ راست انجام دیں۔ آپ کی بعثت عام تمام دنیا کی طرف ہے۔ اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک امت عطا فرمائی اور اس امت کو یہ حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس دین کی دعوت تم کو دی ہے اس کی تبلیغ اسی طرح تم دوسروں پر کرتے رہو۔ فرمایا گیا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(۱۳)

''تم بہترین امت ہو لوگوں کی راہنمائی کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو''۔

دعوت و تبلیغ کی وجہ سے اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے۔ اس جماعتی فرض کو ادا کرنے کی باضابطہ صورت اللہ تعالیٰ کی خود بتائی ہوئی یہ ہے:

﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾(۱۴)

''اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات میں بھی دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آپ نے اپنی امت کو دعوت وتبلیغ کا حکم دیا ہے۔ حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''فواللہ لأن یھدی اللّٰہ بک رجلاً واحداً خیرلک من أن یکون لک حُمُرُالنّعمِ''(۱۵)

الغرض دعوت وتبلیغ ایک مقدس فریضہ ہے جس کا مقصد صداقت و حقانیت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔

دعوتی حکمت عملی (اصولِ دعوت) کی اہمیت

دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں، ایک داعی اور دوسرا مدعو۔تاہم دعوت کی کامیابی کامکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیونکہ دعوت کے مضامین خواہ کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں۔ اگر داعی کا طریقِ دعوت ڈھنگ کا نہیں ہے اور وہ مخالف کو حالات کے مطابق مختلف اسالیب اختیار کرکے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو بات ایک پہلو سے سمجھ نہیں آتی وہی بات جب دوسرے انداز میں سامنے آتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے۔مبلغ کی کامیابی صرف اسی بات میں ہے کہ دوست دشمن سبھی پکار اٹھیں کہ تونے ابلاغ کا حق ادا کردیا ہے۔قرآن مجید کی اصطلاح میں تصریف آیات اسی چیز کا نام ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ وَلِيَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ﴾(۱۶)

''اور اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسالیب سے پیش کرتے ہیں،تاکہ ان پر حجت قائم ہوجائے اور وہ بول اٹھیں کہ تم نے اچھی طرح پڑھ کر سنادیا۔تاکہ ہم جاننے والوں کے لیے اچھی طرح واضح کردیں''۔

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہیں۔اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے صحابہ کرامؓ کودعوت کے طریقِ کار اور اسالیب کی تعلیم دی۔ یہ ایک ایسی انفرادیت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی بھی الہامی وغیر الہامی مذہب کوحاصل نہیں کہ اس نے اپنے

پیروکاروں کو باقاعدہ دعوت وتبلیغ کے اصول پوری شرح و بسط سے بتائے ہوں۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہئے۔دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا۔ وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے۔لیکن صحیفۂ محمدی ﷺ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیرووں کو یہ بتایا کہ پیغامِ الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبولِ حق کی دعوت کس طرح دی جائے''(۱۷)

قرآنِ مجید نے اپنے مخصوص معجزانہ اسلوب کے مطابق دعوت کے اصول ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾(۱۸)

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو''

اس آیت مقدسہ میں دعوتِ دین کے تین بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ بطریقِ احسن۔

دعوت میں حکمت سے مراد یہ بھی ہے کہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر موقع محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ فرق مراتب اور مخاطب کی نفسیات کو مدنظر رکھا جائے۔ مخاطب کے جذبات کو ابھارا (Apeal) جائے، گمراہیوں اور برائیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ ان کے خلاف انسان کے اندر جو فطری نفرت و عداوت پائی جاتی ہے اس کو ابھارا جائے۔ ایسے انداز اور طریقہ کار اختیار کئے جائیں جن سے قلب واذہان مانوس ہوں، جن سے تحریک وتشویق پیدا ہو اور دعوت میں خیر خواہی، تالیف قلب اور باہم محبت کی فضا ہو۔ ایسی تڑپ اور دلسوزی سے دعوت دی جائے کہ مخاطب یہ سمجھے اور محسوس کرے کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔یہ سب ایسے امور ہیں جو دعوتی حکمت عملی میں شامل ہیں۔

ایک غیر تربیت یافتہ داعی دعوتِ دین کے لیے کس قدر غیر موزوں ہے اس کی وضاحت کرتے

ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

''ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے اگر اس کے پیش کئے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا اندازِ خطابت درشت اور معاندانہ ہو گا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کردے گا۔ کیوں کہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پسِ پردہ کوئی دنیوی لالچ یا خوف و ہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی''۔(۱۹)

گویا دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے، داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہو گا اسی قدر اس کی دعوت مؤثر ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مؤثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپ ﷺ کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ ﷺ کا اسلوبِ دعوت تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی و علاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا۔ دعوتِ دین کا یہ وہ اسلوب ہے جو اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دعوتِ دین کے ان ہی مختلف اسالیب کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور طرزِ عمل کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ ابو وائل سے روایت ہے:

''كان عبدالله يذكّر النّاس في كل خميسٍ، فقال له رجل ياابا عبدالرحمن لوددت أنک ذكّرتَنَا كلَّ يوم، قال أما إنه يمنعني من ذالک أنی أكره أن أملّكم وإنی أتخوّلكم بالموعظة كما كان النبیﷺ يتخوّلنابها مخافة السآمة علينا''(۲۰)

''عبداللہؓ بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰنؓ! میری خواہش ہے کہ آپؓ روزانہ وعظ کیا کریں، تو انہوں نے فرمایا میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح ناغہ کر کے تمہیں نصیحت سناتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہم کو وقفہ کر کے نصیحت سنایا کرتے تھے تاکہ ہم بیزار نہ ہوجائیں''۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ آپؐ کی ہدایت

اور طرزِ عمل کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی داعی کو کسی قوم، قبیلے یا علاقے کی طرف روانہ فرمایا تو وہاں کے لوگوں کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کو دعوت کے کسی نہ کسی اسلوب کی بھی تعلیم ارشاد فرمائی۔

داعی اعظم حضرت محمد ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے اصول دعوت کا طریقہ بھی معلوم ہوا کہ کس طرح لوگوں کو حق و صداقت کے قبول کرنے کی دعوت دینی ہے اور پھر آپ کی سیرت طیبہ کے وہ عملی پہلو بھی ہمارے لیے منارۂ نور ہیں کس طرح آپ ﷺ نے حکیمانہ انداز میں دعوت کا فریضہ سرانجام دیا۔

دعوت و تبلیغ کی حکمت عملی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

تبلیغ و دعوت کی جڑیں اس وقت تک مضبوط نہیں ہوتیں اور اس کی شاخیں پھیل کر پھل نہیں دیتیں جب تک اس کی اساس پختہ دلیل پر قائم نہ ہو اور داعی حق اپنی دعوت کو عام کرنے کیلیے ہر دانش مندانہ اور خوبصورت ادبی اسلوب نہ اپنا لے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں ایسے اوصاف تھے جو عقل کو قبولیت پر آمادہ کر دیتے۔ آپ ﷺ پیام حق کی اشاعت کے لیے ایسے طریقے اپناتے تھے جو یقینی کامیابی کے ضامن ہوتے۔ موقع کے مطابق گفتگو فرماتے۔ ہر قبیلے سے ان کی ذہنی سطح سے ہم آہنگ ہو کر کلام کرتے۔ کتب سیرت و احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دعوت و تبلیغ میں مخاطبین کی ذہنی وجسمانی طاقت ان کی فطری صلاحیت ان کے مزاج و طبیعت کو مد نظر رکھتے۔ دعوت کے انہی حکیمانہ اسالیب کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تدریج

رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسرے مبلغین اسلام کو بھی اصولِ تدریج کی تلقین فرمائی۔ حکمتِ تبلیغ کے ضمن میں داعی کا فرض ہے کہ تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی ایک ہی بار شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لاد دے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ تدریج کا یہ اصول فرد اور قوم دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دین ایک نظام ہے اور اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"إنما نزل أول مانزل منه سورة من المفصّل فيها ذكر الجنة والنار،حتى إذا ثاب الناس إلى الاسلام نزل الحلال والحرام،ولو نزل أول شيءٍ لاتشربوا الخمر لقالوا: لاندع الخمر أبدًا، ولو نزل لاتزنوا،لقالوا:لاندع الزنا أبدًا"(۲۱)

"قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل کی گئی وہ مفصل کی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے، جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کے دائرے میں آگئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع ہی میں حکم آجاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تولوگ کہتے ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے"۔

اس دعوتی اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ جب رسول اللہﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن دعوت وتبلیغ کیلیے بھیجا تو ان الفاظ میں تلقین فرمائی:

"إنک ستأتی قوما من اهل الكتاب فاذا جئتهم فادعهم إلى أن يشهدوا أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰهﷺ، فان هم طاعوا لک بذٰلک فأخبر هم أن اللّٰه قد فرض عليهم خمس صلوات فی كل يوم وليلة، فان هم طاعوا لک بذٰلک فاخبرهم أن اللّٰه قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم، فترد على فقرائهم، فإن هُمْ طاعوا لک بذالک، فايّاک وكرائم أموالهم واتّق دعوة المظلوم فإنه ليس بينه وبين اللّٰه حجاب"(۲۲)

"تم عنقریب اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس پہنچو گے۔ جب تو ان کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس میں تیری اطاعت کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر دن رات کی پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالٰی نے صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دیا جائے گا اور جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو چن چن کر ان کا عمدہ مال نہ لے لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں"۔

رفق و نرمی

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے بدترین مخالفین سے بھی نرم انداز میں گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغامِ ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّه' طَغٰى. فَقُوْلَا لَه' قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّه' يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾(۲۳)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا(اللہ سے) ڈرے''۔

دعوت وتبلیغ میں رفق و نرمی کی اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی کہ نہ انبیاء سے بہتر کوئی داعی ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے مجرم کے سامنے وعظ و نصیحت کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کا حکم ہے تو عام مجرم اور گمراہ لوگوں سے تو کہیں بڑھ کر نرمی اختیار کرنی چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہﷺ نے مبلغ صحابہ کرامؓ کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت طفیلؓ بن عمرونے اسلام قبول کیا تو رسول اللہﷺ نے ان کو اپنی ہی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ لوگوں کومسلسل دعوت دیتے رہے لیکن قوم انکار کرتی رہی۔ بالآخروہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ قبیلہ دوس نے مجھے ہرا دیا۔ میں نے ان کو بہت دعوت دی لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ آپ ان کے لیے بددعا کریں۔ رسول اللہﷺ نے بددعا کرنے کی بجائے قبیلۂ دوس کے لیے یہ دعا فرمائی:

''**اللّٰهم اهد دوسا،ارجع إلى قومک فادعهم وارفق بهم**''(۲۴)

''اے اللہ دوس کو ہدایت عطا فرما (طفیلؓ بن عمرو سے فرمایا) تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ ان کو دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو''۔

چنانچہ مأخذ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہﷺ کے تعلیم کردہ اسلوب کو اختیار کرنے کا نتیجہ انتہائی شاندار نکلا۔ کثیر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ۷ھ میں جب حضرت طفیلؓ بن عمرو رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔(۲۵)

رسول اللہﷺ نے عمروؓ بن مرہ جہنی کو اپنے قبیلہ کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا تو ان کو دعوت وتبلیغ کا یہ اسلوب تعلیم فرمایا:

''**علیک بالرفق والقول السدید، ولا تکن فظا ولا متکبرا ولا حسودا**''(۲٦)

''نرمی سے پیش آنا، صحیح اور سچی بات کرنا، سخت کلامی اور بدخلقی سے پیش نہ آنا، تکبر اور حسد نہ کرنا''۔

دعوت و تبلیغ میں حسنِ اخلاق اور نرمی کا اسلوب کس قدر مؤثر ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو دعوت و تبلیغ کے لیے یمن روانہ فرمایا، حضرت خالدؓ بن ولید نے بعض لوگوں کے ساتھ سختی کی جس کی وجہ سے چھ ماہ مسلسل کوشش کے باوجود بھی لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے:

''بعث رسول اللہ ﷺ علیاً ؓ الی الیمن وقد کان أرسل قبلہ خالدؓ بن الولید إلیھم یدعوھم إلی الاسلام فلم یجیبوہ فأرسل علیاً ؓ وأمرہ أن یعقل خالداً ؓ ومن شاء من اصحابہ، ففعل، وقرأ علیؓ کتاب رسول اللہ ﷺ علی اھل الیمن فأسلمت ھمدان کلھا فی یوم واحد''(۲۷)

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا اور ان سے قبل آپ ﷺ خالدؓ بن ولیدکو یمن دعوت و تبلیغ کے لیے بھیج چکے تھے لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی کہ وہ خالدؓ اور ان کے اصحاب کی وجہ سے (اہلِ یمن کے ساتھ) ہونے والی بدسلوکی اور نقصان کا تاوان ادا کریں (ان لوگوں سے نرمی کریں) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا تو قبیلۂ ہمدان سارے کا سارا ایک ہی دن میں مسلمان ہوگیا''۔

وہ لوگ جو چھ ماہ سے قبولِ اسلام سے انکاری تھے جب ان کے ساتھ نرمی کا اسلوب اختیار کیا گیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

آسانی اور سہولت

دعوتِ دین میں آسانی اور سہولت کو پیشِ نظر رکھنا، دین کو درشت اور مشکل نہ بنانا اس کی قبولیت کا اہم ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لیے ہمیشہ آسانی اور سہولت کے پہلو کو پیش نظر رکھا۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل کے متعلق ارشاد فرماتی

ہیں:

”ماخيّر رسول اللهﷺ في أمرين قطّ إلا أخذ أيسر هما مالم يكن إثماً، فإن كان إثماً كان أبعد الناس منه،وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه إلاَّ أن تُنتهک حرمة الله فينتقم لله بها“(۲۸)

”رسول اللہﷺ کو کبھی دوامور میں اختیار نہیں دیا گیا مگر یہ کہ آپﷺ نے ان میں سے آسان کو اختیار کیا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو اگر گناہ ہو تو اس سے تمام انسانوں سے زیادہ دور ہوتے، رسول اللہﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جبکہ اللہ کی حرمت مجروح ہو تو پھر آپﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے“۔

انسان طبعًا سہولت پسند ہے اس لیے داعی کافرض ہے کہ وہ دین کو مشکلات کا مجموعہ نہ بنائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو دینی زندگی کو لوگوں کے لیے آسان بنا کر پیش کرے۔ دینی معاملات میں تشدد پسندی اور سختی سے حتی الوسع پرہیز کرے اور اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو جو حل سب سے آسان ہو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیۓ۔ رسول اللہﷺ کے طرزِ عمل سے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

”دخل اعرابی المسجد والنبیﷺ جالس فصلی، فلما فرغ قال:اللّٰهم ارحمنی ومحمدا ولا ترحم معنا أحداً،فالتفت اليه النبیﷺ فقال:لقد تجحرت واسعا،فلم يلبث ان بال فی المسجد!فاسرع اليه الناس، فقال النبیﷺاهر يقوا عليه سجلاً من ماء، اودلوا من ماء ،ثم قالﷺ:انما بعثتم ميسّرين ولم تبعثوا معسّرين“(۲۹)

”ایک دیہاتی مسجد میں آیا اس نے دورکعتیں اداکیں پھر کہنے لگا: اے اللہ مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر نہ فرما۔ رسول اللہﷺ نے توجہ فرمائی اور فرمایا: تو نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ پھر اس نے جلدی سے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف (مارنے کی خاطر) دوڑے تو آپﷺ نے فرمایا تمہیں آسانی کرنے والا بنایا گیا ہے۔مشکل پسند نہیں۔ اس پر پانی کا ایک ڈول بہادو‘

جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے۔ اسے ایک قسم کی معذوری سمجھ کر ازالے کی کوشش کرنا ہی انسانیت کی خدمت ہے۔لیکن اس سے اظہارِ نفرت و انتقام گویا اس کی اصلاح کے تمام راستے بند

کرنے والی بات ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن انسؓ قال رسول الله ﷺ: خير دينكم ايسره، وخير العبادة الفقه" (٣٠)

''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا دین آسان ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت حاصل کرنا ہے''۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن میں دعوتی مہم پر روانہ فرمایا تو ان کو اسی اسلوبِ دعوت کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی:

"يسّرا ولا تعسّرا، وبشّرا ولا تنفّرا" (٣١)

''دین کو آسان بنا کر پیش کرنا سخت بنا کر پیش نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا''

صحابہ کرامؓ نے اگر کبھی دینی معاملات میں اعتدال سے ہٹ کر تشدد کی راہ اپنائی تو آپ ﷺ نے انتہائی سختی سے منع فرمایا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل نے ایک مرتبہ انصار کو نمازِ مغرب پڑھائی اور قرأت کو خوب طول دیا۔ حضرت حازم انصاریؓ نہ ٹھہر سکے اور اپنی علیحدہ نماز پڑھ کر چل دیے۔ حضرت معاذؓ بن جبل ان سے سخت ناراض ہوئے۔ حضرت حازمؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاذؓ ہمیں بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں۔ جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا!

"يا معاذؓ! أفتّان أنت ؟ أفتّان أنت؟ اقرأ بكذا، اقرأ بكذا" (٣٢)

''اے معاذؓ! کیا تم فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ اے معاذ لوگوں پر تخفیف کرو''۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو ثقیف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا وہ خود فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا وہ یہ تھا:

"ياعثمانؓ! تجاوز فى الصلٰوة، واقدر الناس باضعفهم، فإن فيهم الكبير، والصغير، والضعيف، وذا الحاجة" (٣٣)

''اے عثمانؓ! نماز ہلکی رکھنا اور لوگوں میں ان کے سب سے زیادہ ضعیف آدمی کو معیار بنانا، کیونکہ (نماز پڑھنے والے) لوگوں میں بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی، ضعیف بھی ہوتے ہیں اور صاحبِ ضرورت بھی''۔

شاہانِ حمیر نے قاصد کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ

نے ان کی طرف چند صحابہ کو محاصل جمع کرنے اور دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا، ان لوگوں میں حضرت معاذؓ بن جبل بھی تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہﷺ نے روانگی کے وقت ان سے عہد لیا اور سہولت اور آسانی کا اسلوب اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''یسّر ولا تعسّر، وبشّر ولا تنفّر،وانک ستقدم علی قوم من اھل الکتاب،یسٔلونک مامفتاح الجنة؟ فقل شهادة ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریک له''(۳۴)

''آسانی پیدا کرنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوش رکھنے والی باتیں کرنا، نفرت دلانے والی باتیں نہ کرنا، تم اہلِ کتاب کے کچھ لوگوں کے پاس جا رہے ہو، وہ تم سے پوچھیں گے جنت کی کنجی کیا ہے؟ تو تم کہنا: اس بات کی گواہی دینا کہ خدا ئے واحد کے سوا اور کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے''۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے:

''ایک آدمی نے رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہﷺ! میں تو فلاں شخص کی وجہ سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں (باجماعت ادا نہیں کر سکتا)، کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے''۔

راوی کا بیان ہے: میں نے رسو ل اللہﷺ کو وعظ کے دوران کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن ہوئے۔ پھر فرمایا:

''یا أیها الناس! إن منكم منفّرین، فأیُّكم، ماصلّی بالنّاس فلیؤجز، فإن فیهم الكبیر والضعیف وذاالحاجة''(۳۵)

اے لوگو! تم میں کچھ لوگ نفرت پھیلانے والے ہیں، جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر (قرأت وغیرہ) کرے، ان میں بوڑھے، کمزور اور کام والے بھی ہوتے ہیں''۔

ترغیب و ترھیب (Motivation)

محرکات وہ عوامل ہوتے ہیں جو کسی فرد کے اندر کسی کام کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ یا شوق بڑھاتے ہیں۔ دنیا میں رونما ہونے والے تمام کے تمام واقعات کسی نہ کسی محرک کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عام محرکات میں بھوک، پیاس، جنسی کشش وغیرہ شامل ہیں لیکن ہمارا موضوع چونکہ دعوت و ارشاد ہے اور تربیت انسانی ہے۔ اس کیلیے وہ محرکات جو اس مقصد کے لیے کارگر ثابت ہوتے ہیں ان میں سے ترغیب و ترھیب، انعامات، معاوضہ دینا، مقابلہ و مسابقت، حوصلہ افزائی، توجہ و دلچسپی اور دیگر محرکات

شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے دعوت حق پیش کرتے ہوئے ترغیب و ترھیب سے محرک عمل کو ابھارا۔ اسلامی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی توجہ پورے طور پر اس طرف تھی کہ عقیدہ توحید کی دعوت دی جائے۔ آپ ﷺ آخرت میں ثواب عظیم اور دخولِ جنت کا وعدہ کر کے لوگوں کو ایمان اور توحید کو اختیار کرنے اور شرک سے دور رہنے کی بہت ترغیب دیتے اور یہ ترغیب فقط آخرت کے حوالے سے ہی نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی تم فلاح پاؤ گے اور انہیں اس کے عوض عزت و شرف اور بزرگی عطا ہو گی۔

مثلاً ابن سعد نے الطبقات الکبری، میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت و تبلیغ کے لیے حج کے موسم میں ہر اس قبیلہ کے پاس جاتے جو خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آتا تھا۔ ان کو دعوت پیش کرتے اور یہ فرماتے کہ اگر تم اس دعوت کو قبول کر لو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ عرب تمہارے زیر نگیں ہو گا اور عجم پر تمہاری حکمرانی ہو گی:

''وکان رسول الله ﷺ يعرض نفسه فی المواسم قبيلة قبيلة ويقول يايها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحوا و تملكو ابها العرب وتذل لكم العجم واذآمنتم كنتم ملوكا فی الجنة''(۳۶)

اسی طرح بیعت عقبہ اولیٰ کے اصحاب سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے(۳۷) اور ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ آل یاسرؓ کو قریش ایذا دے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا:

''اے آل یاسر صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے''(۳۸)

کبھی آپ ﷺ قصے کہانیاں سے جذبہ عمل کو ابھارتے کیونکہ قصے کہانیاں انسان کو متوجہ کرتی ہیں۔ سننے کی رغبت پیدا کرتی ہیں۔ اس لیے دعوت و ارشاد میں قصوں کا استعمال انتہائی مؤثر ہے۔ قرآن مجید نے بھی لوگوں کی تربیت کرنے، انہیں نصیحت کرنے اور بہت سے عبرتوں اور حکمتوں کو سکھانے میں قصوں سے مدد لی ہے۔ قرآن مجید نے انتہائی اختصار کے ساتھ قصوں کی تربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾(۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی نفسیاتی تربیت میں قصوں سے مدد لی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی توجہ

منعطف کرانے میں مواعظ اور حکمت سکھانے کے لیے سننے کا شائق بنانے میں قصوں کا بڑا دخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ مختلف تربیتی اغراض کے لیے قصوں سے مدد لیتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر کہ جس وقت کھدائی ہو رہی تھی اور ایک سخت چٹان آپڑی۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ تشریف لائے اور کدال لی بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی اور ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں ہیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا کٹ گیا اور فرمایا اللہ اکبر۔ مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ، میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا، بسم اللہ، تو باقی ماندہ چٹان بھی کٹ گئی، پھر فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت اپنی جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔(۴۰)

یعنی یہ دعوت پیش کی جا رہی ہے اور اس سلسلے میں جو مشکلات پیش آ رہی ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دنیا میں سرخرو فرمائے گا اور عرب و عجم پر اس دعوت و پیغام کے علمبرداروں کو غلبہ نصیب ہو گا۔ یہی نہیں آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اجرعظیم عطا فرمائے گا اور خندق کھودتے ہوئے صحابہ کرامؓ اپنے کندھوں پر مٹی ڈھو رہے تھے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللهم لا عيش إلاعيش الآخرة فاغفر للمهاجرين والانصار“(۴۱)

اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ بس مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔

جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد جن کی تعداد بیس کے قریب تھی عبداللہ بن عوف الاشج کی قیادت میں آیا اور آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یہ عبدالقیس کا وفد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو مرحبا ہے۔ عبدالقیس بھی کیسی اچھی قوم ہے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم میں عبداللہ الاشج کون ہیں؟ عبداللہ نے کہا یا رسول اللہ میں ہوں۔ وہ کریہ منظر (بدشکل) آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ انسان کی کھال کی مشک نہیں بنائی جاتی البتہ آدمی کو دو سب سے چھوٹی چیزوں کی حاجت ہوتی ہے۔ ایک اس کی زبان اور ایک اس کا دل۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اے عبداللہ) تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ وہ کون سی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حلم اور وقار۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ چیز پیدا ہوگئی ہے یا میری خلقت اسی پر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو انعامات دینے کا حکم دیا۔ عبداللہ الاشج کو سب سے زیادہ دلایا۔ انہیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔(۴۲)

اس وفد سے آپ کی ملاقات اور دعوت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے انسانی نفسیات کا کس قدر لحاظ فرمایا۔ مثلاً

۱۔ سب سے پہلے عبدالقیس کے وفد کی آمد پر خوش آمد ید کہا۔

۲۔ اس وفد اور اس کے رئیس کی مدح و توصیف فرمائی۔

۳۔ وفد کے رئیس عبداللہ بن عوف الاشج، جو بظاہر بدشکل ہیں ان کی ظاہری شکل و صورت کے برعکس ان کی داخلی صفات اور خوبیوں کا ان کے سامنے ذکر کیا کہ حقیقت میں اصل خوبصورتی اور حسن، رنگ و نسل کا نہیں بلکہ وہ اخلاق حمیدہ ہیں جن سے انسان متصف ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ الاشج میں جو دو خصلتیں اور خوبیاں، حلم اور وقار، ہیں یہی ان کی خوبصورتی اور حسن ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان کی شخصیت کے وقار میں اضافہ کر دیا۔

۴۔ اور انعامات میں ان کو یعنی عبداللہ الاشج جو کہ وفد کے رئیس تھے سب سے زیادہ دلایا۔

دعوت کا جامع و مختصر بیان

رسول اللہ ﷺ کے دعوتی و تربیتی خطبے نہایت مختصر ہوا کرتے تھے اور بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے اختصار کو خطیب کی دانش مندی کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''إن من البیان سحرًا''(۴۳) ''بعض خطبے جادو ہوتے ہیں''

اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر داعی کا خطبہ مختصر، جامع اور بلیغ ہو گا تو وہ جادو کی طرح اثر کرے گا۔ جبکہ طویل خطبہ نہ صرف سامع کی طبیعت کو کند کر دے گا بلکہ دعوت کو قبول کرنے کی حس اور صلاحیت کو بھی ختم کر دے گا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ اختصار سے کام لیا نیز آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں:

''أمرنا رسول اللّٰہِ ﷺ بإقصار الخطب''(۴۴)

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ میں اختصار کا حکم فرمایا ہے''

حضرت عمار بن یاسرؓ نے ایک دفعہ خطبہ دیا تو آپؓ نے اپنے خطبہ میں اختصار سے کام لیا۔ قبیلہٗ

قریش کے ایک شخص نے کہا اگر آپؐ کچھ مزید فرماتے تو بہتر تھا، آپؐ نے جواب دیا:

"ان رسول الله ﷺ نهى ان نطيل الخطبة"(۴۵)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں طویل خطبے سے منع فرمایا ہے"

عدم جبر و اکراہ

اسلام کو جملہ الہامی و غیر الہامی مذاہب میں اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی ترویج و اشاعت کے باقاعدہ اصول بیان کئے ہیں اور کھل کر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دین ایسی چیز نہیں جس کو زبردستی کسی پر ٹھونسا جائے کیونکہ دینِ اسلام کا اولین جزو ایمان ہے اور ایمان نام ہے یقین کا۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زبردستی پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لیے قرآن کا واضح حکم ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾(۴۶)

"دین میں زبردستی نہیں ہے، تحقیق ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے"۔

دعوتِ دین کا یہ وہ اسلوب ہے جس کو نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے خود اختیار فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب عمروؓ بن حزم کو بنو حارث بن کعب کی طرف دعوت و تبلیغ اور صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا تو ان کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں یہ ہدایت واضح طور پر درج تھی:

"وأنه من أسلم من يهودى أونصراني إسلاما خالصا من نفسه، ودان بدين الاِسلام، فإنه من المؤمنين له مثل مالهم وعليه مثل ماعليهم، ومن كان على نصرانيته، أويهوديته، فانه لايردعنها"(۴۷)

"..اور جو یہودی یا نصرانی اپنی طرف سے مخلصانہ اسلام لے آئے اور دین اسلام کو اپنا دین بنا لے وہ مومنوں میں شمار ہو گا، اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مومنوں پر ہوں گے اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے گا اسے اس یہودیت یا نصرایت سے پھیرا نہ جائے گا"۔

دعوت میں روز مرہ واقعات و مشاہدات کا استعمال:

رسول اللہ ﷺ چشم دید مشاہدے کے لیے کسی چیز کی ظاہری ہیت کی طرف اشارہ کرتے یا اس کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے اور پھر اس سے اپنی بات مستنبط کرتے تھے۔

ایک بار آپﷺ کا بازار سے گزر ہوا۔ بازار ایک چھوٹی موٹی دنیا ہے۔کوئی خریداری کرتا ہے اور کوئی بیچتا ہے۔ ایک اپنے سامان کے بھاؤ اور قیمت کا اعلان کرتا ہے تو دوسرا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ ہوتا ہے۔

غرضیکہ ہر ایک اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ ایک شخص نفع کمانے کی دھن میں رہتا ہے تو دوسرا سستا سامان خریدنے کی فکر میں رہتا ہے۔ رسول اللہﷺ نے سوچا لوگوں کو اس دنیا کی قدر و قیمت بتائی جائے۔ جس پر یہ ٹوٹ پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک کن کٹی بکری کے بچہ کی لاش سے گزر ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے پوچھا:

''أیکم یحب أن ھذا بدرھم؟ فقالوا مانحب أنه لنا بشيءٍ وما نصنع به قال أتحبون انه لکم؟ قالوا والله لو کان حیا لکان عیباًفیه أنه أسَکُّ فکیف وھومیت؟ فقال فوالله للدنیا، اھون علی الله عزوجل من ھذا علیکم''(۴۸)

اس طرح آپ نے حکمت سے دنیا کی قدرو قیمت واضح فرما دی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی کی عظیم صفت کو عمدہ طریقے سے ذہن نشین کرادیا۔ اس طرح محسوس طریقے سے دعوت قلب وذہن پر اثر انداز ہوتی ہے اور مخاطب فوراً قبول کرتا ہے

دعوت نبویﷺ میں مخاطب کی نفسیات کا لحاظ (چند مثالیں)

انفرادی اختلاف کی رعایت

کسی بات کے موثر ابلاغ و افہام وتفہیم کے لیے جس طرح انسان کی نفسی کیفیات، جسمانی حالات اور علاقائی نفسیات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے عقلی، ذہنی اور فکری رجحانات و میلانات، میں جو اختلافات پایا جاتا ہے اس کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ جدید تعلیمی نفسیات میں، اس کو ''انفرادی اختلافات کی رعایت'' کے عنوان سے موسوم کیا جاتا ہے کہ متعلم و مخاطب کے ان فطری و نفسی رجحانات، خواہشات، وراثتی ماحول اور ذہنی استعداد کا لحاظ رکھا جائے، کہ وہ بات کو اخذ کر سکے۔ اس کو سمجھنے میں مدد ملے اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔

رسول اللہﷺ نے لوگوں کے اندر انفرادی فرق کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا:

''الناس معادن کمعادن الفضة والذھب، خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذا

فقھوا"(۴۹)

ترجمہ: سونے چاندی کی کانوں کی طرح لوگوں کی بھی کانیں ہیں پس زمانہ جاہلیت میں جو سب سے بہتر تھا اسلام میں بھی سب سے بہتر ہوگا۔ بشرطیکہ وہ دین کا فہم حاصل کر لے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح سونے اور چاندی اور دیگر اشیاء کی کانوں کی خصوصیات ان کی قدر و قیمت اور بناوٹ و ساخت میں باہم فرق ہوتا ہے اسی طرح لوگوں کی بھی فطری اور طبعی خصوصیات مختلف ہوا کرتی ہیں۔ ان کی طبائع، اخلاق و عبادات اور جسمانی اور عقلی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ جو شخص زمانہ جاہلیت میں ان صفات سے آراستہ اور ان خصوصیات کے اعلیٰ مقام پر تھا وہ دین اسلام میں داخل ہو کر اور دین میں تفقہ پیدا کر کے اپنے اس بلند اور پسندیدہ معیار کو باقی رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے "معادن" کی تشبیہ و تمثیل اس بات کی وضاحت کے لیے دی کہ زمانہ جاہلیت میں جو افضل و بر تر تھا۔ اسلام میں تفقہ پیدا کر لینے کے بعد وہ اپنی اس فضیلت کے مقام پر فائز رہے گا۔ جس طرح سونا چاندی، جب "کان" میں تھے تب بھی ان کی قیمت تھی اور باہر آ کر بھی ان کی قیمت برقرار ہے۔

احکامات و تعلیمات کی تفصیل اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے بھی آپ انسان کی نفسیاتی، جسمانی اور ذہنی فرق کا لحاظ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی تعلیمات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ جیسے حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"جب ہم رسول اللہ ﷺ سے اطاعت و فرمانبرداری پر بیعت کرتے تھے تو آپ ہم سے فرماتے حسب استطاعت"(۵۰)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے جن چیزوں سے تمہیں روکا ہے ان سے باز رہو اور جن کا تمہیں حکم دیا ہے انہیں بقدر استطاعت انجام دو"(۵۱)

حضور ﷺ کے ارشاد کہ "اسے حسب استطاعت انجام دو" میں صاف اشارہ ہے کہ رسول اللہؐ صحابہ کرامؓ کے درمیان پائے جانے والے فرقوں کی رعایت کرتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ان سے یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر حکم کی بجا آوری کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو

اس بات کی تعلیم دی ہے کہ وہ لوگوں کے مراتب اور فہم و فراست کے مطابق دعوت دیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

”امر نا ان نکلم الناس علیٰ قدر عقولھم“(۵۲)

”ہم انبیاء کی جماعت کو اس بات کا حکم ملا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ اور ان سے ان کی عقلوں کے لحاظ سے گفتگو کریں“۔

دعوت و تبلیغ اور تربیت و اصلاح میں آپ لوگوں کی فہم و فراست، میلانات و رجحانات اور ذہنی وعقلی استعداد کا پورا خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو مردم شناسی میں کما ل حاصل تھا۔ ہر شخص کی خوبیوں اور اس کے کمزور پہلوؤں پر آپ کی گہری نظر ہوتی، ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے، ہر معاملہ میں ان کے مزاج اور ساخت کا خیال رکھتے۔ سیر و احادیث میں کئی ایسے واقعات ہیں جن سے آپ کے نزدیک نفسیات انسانی کی رعایت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مثلاً

(۱) جب کسی نے نصیحت یا وصیت کی درخواست کی تو آپ نے سائل اور طالب کے حسب حال اور مزاج و نفسیات کے مطابق مختلف وصیت و نصیحت کیں۔

(۲) اسی طرح سائلین نے ایک ہی طرح کا سوال کیا۔ مگر آپ نے اپنے فتاویٰ میں جوابات ہر ایک کے مناسب حال مختلف دیے۔

(۳) لوگوں کے مزاج اور ذہنی وعقلی استعداد کے مطابق مختلف اوامر و نواہی کی تلقین۔

(۴) جہاں تک پہلے طریقے کا تعلق ہے تو اس میں آپ کا اسلوب کچھ یوں ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ سے کسی ایسے عمل اور نیکی کے بارے میں وصیت یا نصیحت کرنے کی درخواست کی کہ جس پر عمل پیرا ہو کر وہ جنت میں داخل ہوسکیں اور جہنم سے بچ جائیں یا اسی طرح کی کوئی جامع نصیحت وغیرہ تو ان کے جواب میں بعض سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

”تعبد اللہ لا تشرک بہ شیاءً و تقیم الصلوۃ و تؤتی الزکوٰۃ و تصل الرحم“(۵۳)

اور بعض کو یہ تلقین کی کہ:

”اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئة الحسنة تمحھا وخالق الناس بخلق حسن“(۵۴).

اور بعض کے سوال کے جواب میں فرمایا:

”قل امنت باللہ فاستقم“(۵۵)

کسی نے فرمایا کہ نصیحت کیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"**لا تغضب، فردد مرارا قال لا تغضب**"(۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہر شخص کا علاج اس کے مرض کے مطابق فرماتے تھے۔ اس موخر الذکر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل میں شاید غصہ اور جذبات کا غلبہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کے لیے یہ علاج تجویز فرمایا۔ جس کو وہ بادیء النظر میں معمولی سمجھا۔ اور بار بار کسی اور علاج کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ اس طرح آپ ﷺ ہر ایک کے حسب حال نصیحت فرماتے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہی تعلیم صحابہ کرامؓ کو بھی دی کہ وہ دعوت حق پیش کرتے وقت مدعو کی نفسیات کا لحاظ رکھیں اور اس کے مطابق دعوت دیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"**وانزلواالناس منازلهم**"(۵۷)

اور لوگوں کی حیثیت اور سوجھ بوجھ کے مطابق دعوت دو۔

مخاطب کی استعداد کا لحاظ

رسول اللہ ﷺ کے طریقہ دعوت کی اہم بات "مخاطب کا معیار" ہے۔ آپ نے ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھا کہ سننے والے کی استعداد کیا ہے؟ آپ ﷺ دیہات سے آنے والے لوگوں کے سامنے دین حق کو جس انداز سے پیش کرتے تھے وہ اس سے مختلف ہوتا تھا۔ جس انداز سے آپ ﷺ مکہ اور مدینہ کے شہریوں کو دعوت دیتے تھے۔ پھر عقلی استعداد، قلبی و نفسی کیفیات اور قومی نفسیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔ مثلاً

عربوں کی نفسیات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ظاہری جہالت اور اکھڑپن کے پیچھے فطرت کی سادگی اور سچائی پوری طرح عیاں تھی۔ ایک عرب کے لیے کہنے اور کرنے میں فرق کا کوئی سوال نہ تھا۔ وہ خود بھی قول و فعل میں سچے تھے اور دوسروں کو بھی سچا سمجھتے تھے۔ جیسے ہی ان کی سمجھ میں بات آ جاتی وہ فوراً اسے مان لیتے۔ انکے اندر نفاق نہ تھا۔ اقرار اور انکار کے درمیان وہ کسی تیسری چیز کو نہ مانتے تھے۔ مثلاً ایک قبیلہ کے سات افراد آپ ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے اور بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے بتایا کہ ہم نے جاہلیت سے پانچ چیزیں سیکھی ہیں۔ ہم ان پر اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک آپ ہمیں اس سے منع نہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا وہ کون سی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا:

"**الشكر عندالرخاء والصبر عند البلاء والصدق فى مواطن اللقاء والرضاء بمر القضاء**

و ترک الشماتة بالمصيبة إذا حلت بالاعداء"(۵۸)

خوشحالی میں شکر کرنا، مصیبت میں صبر کرنا، مڈبھیڑ کے وقت سچا ثابت ہونا، تقدیر پر راضی رہنا، کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا، خواہ وہ دشمن پر کیوں نہ ہو۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ عالم اور اہل ادب ہیں۔ ان کے اندر انبیاء کی سی شان ہے۔ کتنی اعلیٰ ہیں ان کی باتیں جب وہ ایمان لائے تو آپ ﷺ نے ان کو مزید پانچ باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

اسی طرح ضمادؓ اور طفیل عمروؓ دوسی کے ایمان لانے اور دعوت حق قبول کرنے میں بھی یہی سچائی کا انسانی عنصر شامل تھا۔ مثلاً ضمادؓ کو قریش مکہ نے بتایا کہ محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) جن و بھوت کا اثر ہے ۔ ضماد اس خیال سے آپ ﷺ سے ملے کہ اپنے فن کے ذریعہ آپ کا علاج کریں۔ مگر جب آپ ﷺ کی باتیں سنیں تو کہا:

"خدا کی قسم میں نے کاہنوں اور ساحروں کی باتیں سنی ہیں اور شعراء کے کلام دیکھے ہیں۔ مگر ایسے کلمات میں نے کبھی نہیں سنے۔ اپنا ہاتھ بڑھایئے کہ میں بیعت کر لوں"۔

حسب عادت داعی اعظم ﷺ نے اس موقع پر کوئی لمبی تقریر نہیں کی تھی۔ صرف اتنا کہا تھا:

"ان الحمدلله نحمده و نستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وَأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريک له و أن محمدا عبده و رسوله"(۵۹)

اس پر ان الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے۔ آپ ﷺ نے تین بار ان کلمات کا اعادہ کیا۔ اسی طرح طفیل عمروؓ دوسی کو قریش مکہ نے منع کیا کہ آپ ﷺ کی باتیں نہ سنیں۔ مگر خود اپنے سے مخاطب ہوئے کہ،

"والله انی لرجل لبيب شاعر، ما يخفى على الحسن من القبيح فما يمنعنى ان اسمع كلامه فان كان حسنا قبلته ان كان قبيحا تركته"(۶۰)

مخاطبین میں بدوی، شہری، پڑھا لکھا اور ان پڑھ اور عقل و تجربہ کے مختلف مدارج والے انسان ہوتے تھے۔ آپ ﷺ ہر ایک سے مختلف طریقے پر سلوک کرتے تھے۔ ایک دیہاتی، شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا:

بما اعرف انک نبی میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟

آپ نے فرمایا: **"ان دعوت هذا العذق من هذه النخلة يشهد انى رسول الله؟"**

اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آ کر یہ گواہی دے دے کہ میں خدا کا رسول ہوں (تو تم مانو گے) آپ ﷺ نے اس کو آواز دی، فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ ﷺ کے سامنے آ پڑا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔ واپس چلا جا، وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا۔(۶۱)

بے علم طبیعتیں ہمیشہ عجوبہ نمائیوں کی گرویدہ ہوتیں ہیں، ان ہی کو معیار کمال تصور کرتی ہیں۔ ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں۔ اس لیے نباض فطرت اور داعی اعظم ﷺ نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذب اسلام کا نظارہ پیش کر دیا تھا۔ جس کو دیکھ کر وہ فوراً اسلام لے آیا۔

اس طرح قبیلہ کندہ کا وفد حاضر خدمت ہوا۔ وفد کے امیر اشعث بن قیس آگے بڑھے اور کہا کہ آپ ﷺ بتائیں کہ میری مٹھی میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کاہن کا کام اور پیشہ کہانت جہنم کی اشیاء میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اور پیغامبر بنا کر بھیجا اور مجھ پر اپنی کتاب نازل کی ہے۔ وفد کے اراکین نے قرآن سننے کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ قرآن سناتے جاتے ہیں آپ ﷺ کے اشک رواں ہیں۔ وفد کا قائد پوچھتا ہے کہ کیا اس خدا کے خوف سے روتے ہیں۔ جس نے آپ ﷺ کا پیغمبر بنایا، فرمایا ہاں، اسی کے خوف سے روتا ہوں اس لیے کہ اس نے مجھے اس دین متین اور صراط مستقیم پر قائم کیا ہے جو شمشیر آبدار کے درمیان ہے اور اس راستہ اور دین سے کجی ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ آپ ﷺ کے پر اثر کلمات اور تلاوت قرآن سن کر وفد کے تمام اراکین اسلام قبول کر لیتے ہیں(۶۲)

یہاں آپ ﷺ نے مخاطبین کے فہم و فراست اور معقول پسند طبیعت دیکھی تو طریقہ دعوت مختلف اختیار کیا۔ ان کو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور اس سے دین حق کو اختیار کرنے کی اہمیت بیان کی۔ وفد یہ باتیں سن کر متاثر ہوا اور ان کے ذہنوں نے اس کو قبول کر لیا۔

مشترکہ نکات دعوت کی بنیاد

عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ ہی کو کائنات کا خالق و مالک مانتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے دوسرے خداؤں کی خدائی کے بھی قائل تھے۔ قرآن مجید نے کئی ایک مقامات پر ان ہی کے مسلمات سے اس تضاد کو نمایاں کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کائنات میں ہر طرف خدا کی حکمرانی کو تسلیم کرنا اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا ایک ایسا رویہ ہے جن کی کوئی معقول توجیہ نہیں کی

جا سکتی۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (ان سے کہو) پھر کہاں وہ بہکائے جاتے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے رزق میں کشادگی عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے تنگی میں مبتلا کر تا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے بارش کون اتارتا ہے اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی کرتا ہے۔ کہو الحمد للہ (اس طرح خود ہی تم نے شرک کی تردید کر دی) لیکن ان میں سے اکثر سمجھتے نہیں ہیں''(٦٣)

مشرکین کے اس اعتراف سے کہ کائنات کا سارا اقتدار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جس طرح قرآن مجید نے حجت قائم کی ہے۔ اس کی ایک مثال ذیل میں دی جا رہی ہے:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ. قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ' سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾(٦٤)

''(ان سے) کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور اس کی ساری مخلوق کس کی ہے؟ تو وہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ کی ہے۔ کہو تو پھر کیوں نہیں نصیحت حاصل کرتے، ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ، ان سے کہو تو پھر کیوں نہیں اس سے ڈرتے''۔

رسول اکرمﷺ دعوت میں قدر مشترک کو اختیار کرتے تھے اور عربوں کے ان معتقدات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو جانتے ہیں۔ مثلاً اکابرین قریش نے حضرت حصین خزاعیؓ کو جو کہ ان کے ہاں بڑی عزت اور قدر و منزلت رکھتے تھے، حضورﷺ کے پاس بھیجا کہ وہ رسول اللہﷺ سے اس سلسلہ میں بات چیت کریں کہ جو وہ ان کے معبودوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حصین کے ساتھ قریش کے بھی کچھ لوگ آ کر رسول اللہؐ کے دروازہ پر بیٹھ گئے، حصین اندر داخل ہوئے انہوں نے آپﷺ سے کہا تمہارے بارے میں کیا خبر ہے، کیا تم ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہو، آپﷺ نے حصین سے پوچھا، **یا حصین کم تعبد من اله**؟ کہ کتنے معبودوں کو پوجتے ہو، انہوں نے کہا۔ **سبعة فی الارض و واحد فی السماء** سات زمین اور ایک آسمان کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ آپﷺ نے پھر پوچھا جب تم کو کوئی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے تو کس معبود کو پکارتے ہو۔ جواب دیا (**الذی فی السماء**) جو آسمان میں ہے۔ آپﷺ نے

فرمایا۔ ایک خدا تمہاری پکار کو سنتا ہے اور تم ہو کہ اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی شریک کر لیتے ہو۔ فرمایا، اے حصین اسلام قبول کر لو سلامتی میں رہو گے، چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔(۶۵)

یہ انداز قرآن مجید نے اہل کتاب کے ساتھ بھی اختیار کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْااِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَانُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوااشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾(۶۶)

اے نبی ﷺ کہو اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے پھر اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں صرف ایک خدا کی اطاعت کرنے والے۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو ان کی بے راہ روی اور ضلالت اور مشرکانہ معتقدات کے پیش نظر اے گمراہ اور شرک میں مبتلا لوگو! کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہیں ایسے لقب سے خطاب فرمایا گیا جس سے ان کی شان و امتیاز کا اظہار ہوتا تھا۔ جو ان کے لیے باعث عزت و افتخار تھا۔ پھر فرمایا کہ ''ہماری توحید کی تعلیم ایسی نہیں ہونی چاہیے جس سے تمہارے کان نا آشنا ہوں، یہ دعوت تو وہی ہے جس کے داعی حقیقت میں تم خود بھی ہو'۔

رسول اللہ ﷺ نے جو دعوتی خطوط اہل کتاب کو لکھے ہیں ان میں اس آیت کو نقل فرمایا ہے۔ کسریٰ پرویز جو مجوسی تھا، اس کے نام یا دیگر مشرک سرداروں کے نام جو آپ ﷺ کے مکتوبات پائے جاتے ہیں ان میں اس آیت کو نقل نہیں فرمایا گیا۔ مشرکین اور مجوسی بادشاہوں کے مذہب کی بنیاد شرک پر قائم تھی اس لیے ان کے لیے یہی کافی تھا کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے اور قبول دعوت کی صورت میں انہیں دین و دنیا کی سلامتی کا مژدہ سنایا جائے۔ اہل کتاب حکمرانوں کے نام جو مکتوبات آپ ﷺ نے بھیجے ہیں ان میں ''اسلم تسلم'' کے بعد ''یوتک اللہ اجرک مرتین''(۶۷) (اللہ تمہیں دوہرے اجر سے نوازے گا) بھی ہے۔ یعنی اہل کتاب کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر تم دعوت حق کو قبول کرتے ہو تو اللہ کے یہاں تمہارے لیے دوہرا اجر ہے۔

حفظ مراتب کا لحاظ

آپ ﷺ دعوت و تبلیغ میں بھی مدعو اور مخاطب کے مراتب کا لحاظ فرماتے تھے۔ مثلاً دعوت

ذوالعشیر ہ کے موقع پر اپنے خاندان کو جو کہ قریش میں بلند مقام و مرتبہ رکھتا تھا اور پورے عرب میں اس کی عزت کی جاتی تھی۔ باقاعدہ کھانے پر بلایا اور ان کے مقام و مرتبہ اور مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے بڑے وقار سے دعوت حق کو پیش کیا۔ اسی طرح اکابرین قریش کے مشہور اور پسندیدہ ناموں سے ان کو یاد فرمایا۔ مثلاً عتبہ بن ربیعہؓ آپ کے پاس چند مطالبات اور تجاویز لے کر آیا، تاکہ آپ دعوت حق سے باز آ جائیں۔ آپؐ اس کی گفتگو غور سے سنتے رہے جب اس نے بات ختم کی تو آپؐ نے فرمایا: **افرغت یا ابا الولید(٦٨).**

یہاں آپ ﷺ نے عتبہ کی مشہور او ر معروف کنیت سے اس کو مخاطب کیا، دعوت حق کے سخت ترین مخالف ابوجہل، عمرو بن ہشام کو آپ اس کی مشہور کنیت "**ابا الحکم**" سے بلاتے تھے(٦٩) قریش کے بزرگ اور ممتاز لوگوں میں ایک نام حصین خزاعی کا تھا۔ قریش نے ان کو آپ ﷺ کی طرف بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو اس دعوت کے ابلاغ سے روکیں۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

"**اوسعوا للشیخ**" کہ شیخ کے لیے جگہ کشادہ کر دو ۔ مقصد تعظیم اور عزت دینا تھا اور جب وہ گفتگو کر چکے اور اسلام کی دولت حاصل کر لی اور گھر واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ **شیعوہ الی منزلہ** (٧٠) کہ ان کو منزل تک پہنچا دو۔

مختلف قبائل جو کہ عربوں کے نزدیک بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے اور طاقت و شجاعت میں ان کا بڑا مقام تھا۔ جب وہ ایمان لائے تو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ان کی تعریف و توصیف فرماتے تھے۔ مثلاً بنی غفار اور بنو اسلم کے بارے میں فرمایا:

"**غفار غفر الله لها، واسلم سالمها الله**"(٧١)

اور یمن سے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو فرمایا:

"**جاء اهل اليمن هم ارق أفئدة، الايمان يمان و الفقه يمان و الحكمه يمانية**"(٧٢)
اہل یمن آ گئے، یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں۔ ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔

آپ ﷺ نے حکمرانوں، امراء اور سرداروں کو دعوتی خطوط ارسال کئے ان میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا۔ مثلاً قیصر روم، ھرقل **عظیم الروم**(٧٣)اور قبطیوں کے حکمران مقوقس کو

عظیم القبط(۷۴) کسریٰ کے حکمرانوں کو **عظیم فارس**(۷۵) جیسے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت حق کی طرف بلایا۔ فتح مکہ کے موقع پر اکابرین قریش کا لحاظ رکھا اور اسی وجہ سے ابو سفیان کے گھر کو دارالامن قرار دیا اور مال غنیمت سے ان کو بے شمار مال و دولت سے نوازا۔

عام الوفود میں جب پورے عرب سے مختلف قبائل اسلام قبول کرنے اور بیعت کرنے کی غرض سے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ بھی آپ ﷺ محبت اور عزت کا سلوک فرماتے ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ فرماتے۔ بعض وفود کے استقبال کے لیے شہر سے باہر تشریف لے جاتے اور بعض کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے تمام اراکین وفود کو ہدیے اور تحفے اور وفد کے قائد و امیر کو سب سے زیادہ دلاتے، اس کا مقصد بھی ان کی دلجوئی تھا اور ان کی قوی مراتب کا لحاظ تھا۔

دعوت و تبلیغ میں حفظ مراتب کا یہ لحاظ اس حد تک جائز ہے جہاں تک یہ اس دعوت حق کے احترام و وقار کے خلاف نہ ہو۔ جس کو داعی پیش کر رہا ہے۔ اگر یہ لحاظ کسی پہلو سے حق کے وقار کو صدمہ پہنچائے پھر یہ جائز نہیں ہے۔

طریقہ تنبیہ و تادیب

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ خرابیوں کی جانب اس طرح توجہ دلائی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ کسی مخصوص و معین شخص کی خرابی کا ذکر نہیں کیا جا رہا بلکہ اصل مقصد عام لوگوں کی اصلاح ہے اور داعی و مصلح کے دل میں سب کی ہمدردی واصلاح کا جذبہ موجزن ہے اور اسی نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ اس خرابی کی جانب متوجہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا انداز تادیب و تنبیہ یہی تھا کہ اگر کسی خاص شخص کی غلطی کی اصلاح مقصود ہوتی تو آپ براہ راست اسے مخاطب کر کے اس کی جانب متوجہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس سے اس کے اندر نفرت و بیزاری پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ ایسے مواقع پر آپ کا خطاب عام ہوتا تھا گویا آپؐ کو پوری قوم کی اصلاح و ہدایت مطلوب و مقصود ہے اور جس خرابی کا ذکر آپ کر رہے ہیں وہ کسی خاص میں نہیں پائی جاتی بلکہ عام افراد میں موجود ہے۔ خطاب کے اس طریقہ سے بات زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتی ہے۔ یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ نماز میں خشوع و خضوع اور تمکین و وقار ضروری ہے لیکن ابتداء میں یہ ارکان وآداب لازمی نہیں قرار دیے گئے تھے بلکہ بتدریج ان کی تکمیل کی گئی۔ اس کے بعد بھی جب کچھ لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے تو آپؐ نے ان کی اصلاح کی ضرورت محسوس کی۔ مگر انہیں اس

سے باز رہنے کی ہدایت ایسے عام انداز میں کی کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ محض انہیں کو پیش نظر رکھ کر بات کی گئی ہے فرمایا:

(مابال اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی صلوتھم)(۷٦)

''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں''۔

تشدد اور غلو پسند لوگ شریعت کی بیان کردہ ہدایت پر قناعت نہیں کرتے اور اللہ کی دی ہوئی رخصتوں سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے وہ اپنے اوپر ایسی قیود اور بندشیں عائد کر لیتے ہیں جو خدا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان پر عائد نہیں کی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ جن رخصتوں پر عمل پیرا تھے۔ بعض لوگوں کو انہیں کرنے میں تکلف ہوتا تھا۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے عام انداز میں لوگوں کو اس طرح تنبیہ فرمائی:

''مابال اقوام یتنزّھون عن الشيء أصنعه فواللّٰه إنی لأعلمھم باللّٰه وأشدھم له خشیةً''(۷۷)

(لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس چیز سے بھی احتراز کرتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم مجھے اللہ کے بارے میں ان سے زیادہ واقفیت ہے اور میں ان سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں)۔

کسی تعین وصراحت کے بغیر اصلاح و ہدایت اور تلقین وارشاد کا یہ عام انداز اور مؤثر و بلیغ اسلوب ان حدیثوں میں بھی پایا جاتا ہے جن میں ''احدکم'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ گویا اس طرح کی حدیثوں میں کسی ایک شخص کی غلطی پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے لیکن خطاب کا رخ عام لوگوں کی طرف کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کی زد براہ راست کسی ایک شخص پر نہ پڑے بلکہ اس کے عموم کی وجہ سے ہر شخص کو تنبیہ ہو جائے اور اس شخص کو بھی برا نہ لگے جو واقعی اس فعل کا مرتکب ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوتی حکمت عملی میں عملیت کا اتمام و اکمال

تعلیم و تعلم اور ابلاغی و سماجی نفسیات میں کئی ایک نظریات و تصورات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مطالعہ تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ سے وابستہ افراد کے لیے مفید اور سود مند ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر میں انسانیت پسند ماہرین نفسیات نے اپنے نظریات سے جدید نفسیات میں ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ ان ماہرین نے بنیادی طور پر انسان کی فطرت کو کلی انداز میں دیکھا ہے اور انسانی جذبات و احساسات

اور انسانی پہلو (Human Factor) کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک مؤثر ابلاغ اور تعلم کی خوبی یہ ہے کہ داعی انسانی جذبات و احساسات سے ہم آہنگ ہو اور عملی اعتبار سے خود بھی اس کام پر عمل پیرا ہو جس کی وہ دعوت دے رہا ہے یا جس کا ابلاغ کر رہا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک مؤثر ابلاغ و تعلم خود مبلغ کا ذاتی کردار اور اخلاق ہے۔ ایک انسانیت پسند ماہر نفسیات ریسٹ (Rest) تعمیر سیرت کے عمل کا تجربہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ عمل چار مرحلوں پر مشتمل ہے:

(۱) کردار کی تعمیر کے سلسلے میں پہلے مرحلے میں افراد کے اندر اخلاقی حس (Moral Sensitivity) پیدا کی جاتی ہے تاکہ صورت حال پر توجہ دے کر کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے مائل ہو۔

(۲) دوسرا مرحلہ اخلاقی فیصلہ (Moral Judgement) کرنے کا مرحلہ ہے جہاں اس مخصوص صورتحال میں ممکنہ ردعمل میں سے اخلاقی طور پر مثبت اور مستحسن ردعمل کا انتخاب کریں۔

(۳) تیسرا مرحلہ اخلاقی تحریک (Moral Motivation) کا ہے جہاں افراد اپنے انتخاب پر عمل پیرا ہونے کے لیے خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

(۴) چوتھا اور آخری مرحلہ اخلاقی کردار (Moral Character) ہے جہاں افراد نے اخلاقی فیصلوں پر عمل کرنے کے لیے نہ صرف تحریک عمل پاتے ہیں بلکہ نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے ان فیصلوں پر عمل کرتے ہیں کیونکہ کردار کا اظہار اعمال سے ہی ہوتا ہے۔(۷۸)

کردار سازی کے پہلے دو مرحلوں کو افراد میں ابھارنے کے لیے انہیں اخلاقی مسائل اور واقعات سے دوچار کرنا ضروری ہے۔ اس لیے تعمیر سیرت و تشکیل ذات کے لیے سب سے اعلیٰ نمونہ خود مبلغ ومعلم کا ذاتی کردار اور خلاق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جس کو وہ دعوت دے رہا ہے کیا وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہے؟ کیا اس کے قول وفعل میں تضاد تو نہیں اور کیا وہ اخلاق حمیدہ سے اپنی ذات کو مزین کئے ہوئے ہے؟ چنانچہ انسانیت پسند یعنی (Humanistic Psychology) میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ استاد، داعی اور مبلغ کی سیرت افراد کے لیے باعث تقلید ہونی چاہیے۔ تاکہ وہ کردار کے اعلیٰ نمونوں کی تقلید کر کے انہیں شخصیت کا حصہ بنائیں۔

دعوت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی اور آپ ﷺ کی سیرت و اخلاق کی ایک اور امتیازی شان عملیت بھی ہے۔ یعنی سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور بعد میں اس کے کرنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ کی سیرت اور اخلاق کی گواہی خود خالق کائنات نے یوں دی:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ﴾(۷۹)

اور آپ ﷺ جس مقصد کے لیے بھیجے گئے اور جو بات آپ ﷺ کے مقاصد نبوت میں شامل تھی وہ اخلاق عالیہ تکمیل و اتمام ہے۔ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (۸۰)

بے شک مجھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل کی زندگی بھی آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی مثال تھی۔ اہل مکہ آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی گواہی دیتے تھے۔ مثلاً بناء کعبہ کے وقت جب "حجر اسود" کو مخصوص جگہ رکھنے کا مسئلہ درپیش ہوا اور قریش لڑائی جھگڑا تک پہنچ گئے اور آخر فیصلہ ہوا کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ:

"هذا الامين رضينا هذا محمد صلى الله عليه وسلم" (۸۱)

"هذا الامين قد رضينا بما قضى بيننا" (۸۲)

"هذا الامين قد رضينا به فحكموه" (۸۳)

یعنی سب سے پہلے انہوں نے اس اخلاقی صفت کا ذکر کیا۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ ان کے نزدیک مشہور و معروف تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے اسم مبارک کا ذکر کیا اور اس کے بعد اس مسئلے کے جھگڑے کا جس کے بارے میں آپ ﷺ فیصلہ کریں گے۔

یہ نہیں بلکہ آپ ﷺ کی دعوت کے سب سے بڑے مخالف اور آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابوجہل، عتبہ، ابو سفیان، نضر بن حارث، نے آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور شرافت کی گواہی دی۔ ابو جہل نے یوں کہا:

"والله ان محمدا الصادق وما كذب محمد قط" (۸۴)

اللہ قسم محمد ﷺ سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

نضر بن حارث نے کہا:

"قد كان محمد فيكم غلاما حدثا أرضاكم فيكم وأصدقكم حديثا، وأعظمكم امانة" (۸۵)

اور پھر جب دعوت عام کے اعلان کا حکم ہوا تو دعوت اسلام کو عام کرنے اور لوگوں تک پہنچانے کے لیے کوہ صفاء پر چڑھے تا کہ لوگوں کو اس سے متنبہ کریں اور ان کو اس دین کی بشارت دیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا، اور جب تمام قبائل کے لوگ اکٹھے ہو گئے تو اس وقت آپ ﷺ نے دعوت دین پیش کی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا بلکہ اپنے اخلاق اور اپنی ذات کو ہی بطور معجزہ پیش کیا۔ صحیح بخاری میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''أرأیتم لو أخبر تکم أن خیلاً تخرج من بسفح هذا الجبل، أکنتم مصدقي قالوا ما جرجنا علیک کذبا''(۸۶)

''لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟ سب نے کہا ہاں کیونکہ ہمارے تجربہ میں ہے کہ آپ ﷺ کبھی بھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے۔''

اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کے بارے میں مشرکین مکہ کی رائے معلوم ہوتی ہے اور پھر آپ ﷺ کے دعوتی اسلوب و ابلاغ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے علاقہ کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خاص آواز (یا صباحاه) لگائی جو کہ کسی خطرہ یا دشمن کے حملے کے وقت لگائی جاتی تھی تا کہ لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ جب تمام قریش اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنی سیرت کو اس انداز سے پیش کیا کہ سب نے کہا آپ ﷺ سچے ہیں۔ جب ان کا اعتماد آپ ﷺ کی سیرت کے حوالے سے واضح ہو گیا تو پھر آپ ﷺ نے دعوت حق کو پیش فرمایا۔ الغرض رسول اللہؐ نے اپنی سیرت واخلاق کو بطور نمونہ کے پیش فرما کر اپنی دعوت کی حقانیت و صداقت کو ثابت فرمایا کہ جس سے انکار و فرار ناممکن تھا۔ اور پھر انتہائی قلیل عرصہ میں یہ دعوت نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ عالمی سطح تک پھیل گئی اور امراء و ملوک اور روساء حکمرانوں نے اسے اختیار کیا کیونکہ اس کی اساس و بنیاد آپ ﷺ کی امتیازی شان ''عملیت'' پر تھی اور یہی آج کی جدید نفسیات کا خاصہ ہے کہ اس کے نزدیک بھی مؤثر ابلاغ اور تعلیم کے لیے اولین شرط معلم و مبلغ کا ذاتی کردار اور اس کی عملیت ہے۔

مقالہ ہذا میں بیان کئے گئے دلائل و براہین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم میں بیان کردہ اصول دعوت کے مطابق اسلام کی تعلیمات کو لوگو ں کے سامنے پیش کیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ہزاروں لوگوں نے نہ صرف یہ گواہی دی کہ آپ ﷺ نے دین حق کو پہنچا دیا

بلکہ آپ ﷺ نے اس کے ابلاغ کا حق ادا کر دیا۔ دور حاضر میں ملت اسلامیہ دعوت و تبلیغ میں وہی حکمت عملی اور منہاج دعوت اختیار کر کے کامیابی حاصل کر سکتی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمایا اور جس کو دعوت میں اپنانے کی تلقین فرمائی۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد فواد عبدالباقی، المعجم المفهرس لا لفاظ القرآن الکریم (بذیل مادہ) طبع انتشارات اسلامی تہران (س ن)

۲۔ زمخشریؒ ابی القاسم محمود بن عمر اساس البلاغہ (۴۶۷۔۵۳۸ھ) (تحقیق استاد عبدالرحیم محمود) دارالمعرفۃ بیروت ۱۹۷۹، ص ۱۳۱

۳۔ اصفہانی، راغب، امام مفردات القرآن، دارالمعرفۃ بیروت (س ن)، ص ۷۰

۴۔ علی محفوظ شیخ، ھدایۃ المرشدین، دارالاعتصام مصر ۱۴

۵۔ احمد غلوش، ڈاکٹر الدعوۃ الاسلامیہ اصولھا و وسائلھا، ص ۱۰

۶۔ الالوری، آدم عبداللہ، تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ قاہرہ (س ن) ص ۱۷۔

۷۔ البیانونی، محمد ابو الفتح، المدخل الی علم الدعوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۹۱، ص ۱۶۔

۸۔ زمخشریؒ علامہ، اساس البلاغۃ ص ۲۹۔

۹۔ معجم المفھرس لا لفاظ القرآن الکریم۔ (بذیل مادہ)

۱۰۔ المائدۃ، ۵: ۶۷

۱۱۔ الترمذی، کتاب العلم عن رسول اللہؐ، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السّماع

۱۲۔ النساء: ۴:۱۶۵

۱۳۔ اٰل عمران:۳:۱۱۰

۱۴۔ اٰل عمران:۳:۱۰۴

۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام(۱۹۲۔۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح،طبع مصر ۱۹۹۰ء، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر

۱۶۔ الانعام،۶:۱۰۵

۱۷۔ ندوی، علامہ ،سید سلیمان (م ۱۹۵۳ء)، سیرت النبی ﷺ، ۹۱/۴

۱۸۔ النحل، ۱۶:۱۲۵

۱۹۔ محمد کرم شاہ، پیر، الازہری (م ۱۹۹۷ء) ''ضیاء القرآن''، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۶۱۷/۲

۲۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاّماً معلومۃ،

۲۱۔ البخاری، الجامع الصحیح ،کتاب فضائل القرآن ،باب تالیف القرآن

۲۲۔ البخاری، الجامع الصحیح،کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیؓ ومعاذؓ الی الیمن

۲۳۔ طٰہٰ، ۲۰:۴۳، ۴۴

۲۴۔ ابنِ ہشام، ''السیرۃ البنویۃ''، قصۃ اسلام الطفیلؓ بن عمرو الدوسی، ۴۲۲/۱
ابنِ اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، ''اسد الغابہ''، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو، ۵۵/۳

۲۵۔ ابنِ ہشام، قصۃ اسلام الطفیلؓ بن عمرو الدوسی، ۴۲۳/۱ و اسد الغابہ، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو، ۵۵/۳

۲۶۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابنِ عمر، ''البدایۃ والنھایۃ''، ۳۵۱/۲

۲۷۔ ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، ''الکامل فی التاریخ''، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۹۶۷ء، ۲۰۵/۲
۲۸۔ امام، مالک بن انس، الموطأ، کتا ب حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق
۲۹۔ البخاری، کتاب الوضوء، باب یصیب الماء علی البول فی المسجد، ا بن الاثیرنے ان اعرابی صحابی کا نام ذوالخویصرہ یمانی ذکر کیا ہے۔
۳۰۔ ابنِ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ، ''جامع بیان العلم وفضلہ''، باب تفضیل العلم علی العبادۃ، ۲۱/۱،
۳۱۔ البخاری، کتاب الادب،باب قول النبی ﷺیسروا ولا تعسروا،
۳۲۔ سننِ ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تخفیف الصلوٰۃ
۳۳۔ ابنِ ہشام، امر وفد ثقیف واسلامہ، ۱۹۵/۴، اسد الغابہ، تذکرہ عثمانؓ بن ابی العاص، ۳۷۲/۳
۳۴۔ ابنِ ہشام، وصیۃ الرسول ﷺ معاذؓ حین بعثہ الی الیمن، ۲۴۶/۴
۳۵۔ البخاری، کتاب الاحکا م، باب ہل یقضی القاضی، او یفتی وھو غضبان؟
۳۶۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ ۲۱۶/۱
۳۷۔ البخاری، باب وفود الانصار وابن ھشام ۲۸۸/۱، والطبقات ۲۲۰/۱
۳۸۔ ابن ھشام، السیرۃ البنویۃ ۳۱۹/۱
۳۹۔ یوسف:۱۲:۱۱۱
۴۰۔ ابن ھشام، السیرۃ البنویۃ ۲۱۹/۲
۴۱۔ البخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خندق ۵۸۸/۲
۴۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۸۸/۲
۴۳۔ سننِ ابی داؤد، کتاب الاد ب، باب ماجاء فی الشعر
۴۴۔ سننِ ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب اقصار الخطب
۴۵۔ المسند، حدیث عمار بن یاسرؓ حدیث نمبر ۱۸۴۱۰، ۴۱۹/۵
۴۶۔ البقرہ، ۲:۲۵۶
۴۷۔ ابن ہشام، السیرۃ البنویۃ ، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۵۱/۴
۴۸۔ منذری، عبد العظیم بن عبد، حافظ ''الترغیب والترھیب''، مصر

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گاؤں سے واپسی پر مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے لوگوں نے آپ ﷺ کو دونوں طرف سے گھیرے رکھا تھا۔ وہاں چھوٹے کانوں والا ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون اس مردہ بچہ کو ایک درہم میں خریدنے کے لیے تیار ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا! ہم کسی بھی قیمت پر اس کو خریدنا نہیں چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے کسی کام کا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس میں عیب تھا اور اب تو یہ مردہ ہے اس لیے کوئی سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم'' یہ بچہ تمہاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے دنیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس سے زیادہ بے وقعت ہے۔

۴۹۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب البر والصلة والاداب، باب الارواح جنود مجندة (حدیث نمبر ۱۶۰)

۵۰۔ البخاری، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس۔

۵۱۔ البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و سنة، باب الاقتدا بسنن رسول الله ﷺ

۵۲۔ المتقی، المنتخب کنز العمال، کتاب الاخلاق باب فی الاخلاق محموده ۷۰/۴

۵۳۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان الاعمال الذی یدخل به الجنة وان من تمسك بما امر به دخل الجنة۔

۵۴۔ احمد بن حنبل، المسند جلد ۲۳۶/۵۔

۵۵۔ مسلم، الجامع الصحیح۔ کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام

۵۶۔ البخاری، کتاب الادب، باب الاحذر من الغضب

۵۷۔ سلم ،الجامع الصحیح، تعلیقا فی مقد مته، سنن ابی داود، کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلهم

۵۸۔ المتقی، کنز العمال ۶۹/۱

۵۹۔ ابن کثیر، البدایه والنهایه ۳۶/۳، مسلم کتاب الجمعه، باب تخفیف الصلوٰة و الخطبة حدیث نمبر ۸۶۸

۶۰۔ ابن ہشام ۳۸۴/۱

۶۱۔ ترمذی، السنن ،کتاب المناقب، باب نمبر ۵، حدیث نمبر ۳۶۲۸۔

۶۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری ۳۲۴/۱۔

۶۳۔ العنکبوت ۲۹: ۶۲، ۶۳

۶۴۔ المومنون ۲۳: ۸۴، ۸۶

۶۵۔ الحلبی، السیرة الحلبیه، ۳۱۸/۱

۶۶۔ آل عمران ۳: ۶۴

۶۷۔ مسلم، کتاب الجهاد و السیر، باب کتاب النبی ﷺ الی هر قل یدعوه الی الاسلام حدیث نمبر ۱۷۷۳۔

۶۸۔ ابن ہشام، السیرة النبویة ۲۹۵/۱۔

۶۹۔ السیوطی، الخصائص الکبری، ۲۸۶/۱

۷۰۔ الحلبی، السیرة الحلبیه، ۳۱۸/۱۔

۷۱۔ مسلم کتاب فضائل صحابه، باب من فضائل غفار و اسلم و جهینه

۷۲۔ مسلم کتاب الایمان، باب تفاضل الایمان فیه ورجحان اهل الیمن فیه

۷۳۔ البخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان بدالوحی

۷۴۔ ابن قیم الجوزیہ، زادالمعاد فی هدی خیر العباد، ۱۲۹/۳۔

۷۵۔ الطبری، تاریخ الرسل والملوك ۹۱/۳

۷۶۔ البخاری، کتاب الصلوۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوۃ

۷۷۔ البخاری کتاب الأدب باب من لم یواجه النّاس بالعِتَاب

۷۸۔ منظور عارف، ڈاکٹر، تعلم نفسیات کے انسانیت پسندانہ تناظر میں، در مجلّہ سہ ماہی **تعلیمی زاویے**، لاہور، جلد ۵ شمارہ ۲ جولائی ۱۹۹۴

۷۹۔ القلم:۶۸:۴

۸۰۔ مالک بن انس، امام، الموطا، کتاب حسن خلق باب ماجاء فی حسن الخلق

۸۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱/۱۹۷

۸۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۱۲۴

۸۳۔ ازرقی، اخبار مکہ، (تحقیق استاد رشدی الصالح)، دار الثقافہ مکہ مکرمہ ۱۳۸۵ھ ۱/۱۶۴،

۸۴۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف الحقوق المصطفی ﷺ ۱/۱۸۱

۸۵۔ ابن هشام، السیرۃ البنویۃ ۱/۲۹۹

۸۶۔ البخاری، کتاب التفسیر، تبت یدابی لهب

☆☆☆☆☆